ابن مفلحؒ فرماتے ہے کہ آپ کی حدیث میں قطیب (تفعل) کا لفظ استعمال ہے نہ طب (تفعیل) اس لئے کہ تفعیل کی خاصیت کسی چیز کے اندر تکلف کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ اور آصحاب کی کلام سے یہ بات واضح ہے کہ جس کو اس علم کی ذکاوت نہ ہو اس کے لئے دوا تجویز کرنا جائز نہیں۔ اگر اس لئے خود کرنا مناسب نہیں تو اس میں تمکن بھی جائز نہیں۔ کلام آصحاب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو علم طب نہیں جانتا وہ ضامن ہے۔ اگر وہ دوا تجویز کرنا جانتا ہو اور طب کی اس کو اجازت ہو اس لئے کہ اس کے جہل کے ساتھ اس کو خود کام کرنا جائز نہیں۔

ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ ''خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ اطباء اسی طرح کام کریں جیسا کہ ان کو حکم ہے۔ تو دو شرطوں کے بنیاد پر وہ ضامن نہیں ٹھہر سکتے۔

(۱) اپنی صناعت کے اندر ماہر ہو اور معرفت حاصل ہو اس لئے کہ جب اس طرح نہ ہو تو قطعی طور پر ان کو خود کام کرنا جائز نہیں اگر اس کے باوجود وہ دوا تجویز کرے تو اس کا یہ فعل حرام ہے اور اس سرایت کا یہ خود ضامن ہے۔

ابن مفلحؒ فرماتے ہے کہ ''یہ بات اس کا مقتضی ہے کہ جب ان کو صناعت کے اندر مہارت حاصل نہ ہو تو وہ ضامن ہے۔ اس لئے کہ ان کے لئے قطعی مباشرت جائز نہیں اگر قطعیت کو اختیار کیا تو اس کا یہ فعل حرام ہے۔ اور اس کی سرایت کا ذمہ دار ہے۔

پس طبیب کے لئے مریض کا علاج کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کو بیماری کا علم نہ ہو جاہل ہو تو مریض کا علاج کرنا اور دوا تجویز کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ اس کا یہ اقدام جرم شمار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ مسلمان کا خون، مال اور عزت لوٹنا شریعت کے اندر حرام ہے۔

اور جہاں تک ماہر طبیب کا سوال ہے اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو وہ ضامن نہیں اور اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی کوشش صرف کی تو وہ ضامن نہیں مگر یہ کہ وہ عمداً غلطی کریں۔

ابن مفلحؒ فرماتے ہے کہ ''ماہر طبیب پر ضمان نہیں اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو وہ خطأ شمار کی جائے گی اگر اپنے اجتھاد سے دوائی تجویز کی اور اس میں کوئی غلطی ہو گئی اور مریض کو نقصان ہو جائے تو اس مفتی جیسا تو لا جائیگا کہ اگر اس کی غلطی سے ہلاکت میں پڑ جائے پھر وہ مستفتی کا ضامن ہوگا بصورۃ دیگر وہ ضامن نہیں۔ تو سمجھنے کی قوت طبیب کو ضامن ٹھہرائے گی۔

(۴) العدل (انصاف):۔ یہاں پر عدل سے مراد ہر ایک کو اس کا ایسا حق دینا جس کا وہ حقدار ہے۔ اس میں زیادتی اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ اور ایک مسلم طبیب کے اوپر یہ بات لازم ہے کہ اپنے آپ کو ایسے اخلاق سے مزین کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ:۔ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنیوالے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو۔ اور خاص لوگوں کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

تو عدل ایمان کے لوازمات میں سے ہے اور ایک مسلم طبیب کے ہر پہلو سے ایمان ظاہر ہونا چاہیے۔ اپنے عملی میدان میں وہ صاحب

ولایت ہوتا ہے اور وہ مریضوں، اس کے مدد کرنیوالوں اور اس کی طرف رجوع کرنیوالو کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔

ایک مسلم طبیب کے اوپر یہ بات بھی لازم ہے کہ وہ اپنی خدمات کی تقسیم بھی عدل سے کام لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی صلاحیت صرف مالدار اور صاحب ثروت لوگوں پر صرف ہو اور فقراء اور مساکین اس کے خدمات سے محروم رہیں۔

اور یہ ایسا امر ہے کہ شریعت بھی اس پر ابھارتی ہے۔ جیسا کہ جدید تنظیمیں بھی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور یہ بھی ایک بڑی غلطی ہے کہ تمام تر توجہ طبی خدمات میں بڑے بڑے ہسپتالوں اور وزارت صحت اور خاص قسم کے چوریوں پر خطیر رقم صرف کی جاتی ہیں۔

اگر چہ یہ اہم طبی خدمات سرانجام دیتی ہے۔ مگر ان خدمات کا فائدہ عوام کے ایک خاص طبقہ کو پہنچتا ہے۔ اور خیموں اور دور دراز علاقوں میں رہنے والے لاکھوں لوگ ان خدمات سے محروم ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض ان تک پہنچ بھی جائے تو ردی اور محدود ہوتی ہیں۔

(۵) امانت:۔ امانت ایسی صفت ہے جس کا نفس کے اندر اثبات ہوتا ہے۔ انسان اس حق سے جو اس کے اوپر ہوتا ہے پاکدامنی اختیار کرتا ہے۔ اگر چہ دشمنوں کے ظروف ان کے خلاف تیار ہوتی ہیں۔ مگر لوگوں کے ہاں وہ قرب کا مرتبہ پاتا ہے۔

امانت مومنین کی ان صفات میں سے ہے جو منافق کے اندر نہیں پائی جاتی ابوھریرہؓ آپؐ سے روایت کرتے ہے ''منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بولے تو جھوٹ، وعدہ کریں تو خلاف ورزی کریں اور امانت رکھیں تو خیانت کریں''۔

طبیب کا پیشہ ان کو مریضوں کے جسدی نفسی اور مالی اسرار سے خبردار کر دیتی ہیں۔ تو طبیب کے اوپر یہ بات لازم ہے کہ وہ ان اسرار کو چھپائے رکھے۔ اس لئے کے یہ مسلم طبیب کے ادب میں سے ہے۔ عائشہؓ روایت کرتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''جس نے میت کو غسل دی اور امانت کے ساتھ کام کیا۔ اور ان کے نقائص میں سے کسی چیز کو بھی ظاہر نہیں کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ اسی دن ماں نے جنا ہے''۔ ابن الحاجؒ (۷۳۸ھ) فرماتے ہے کہ طبیب کو مریض کے اسرار کا امین ہونا چاہیے۔ مریض جب اپنی حالت بتائے تو لوگوں کو اس پر مطلع نہ کرے اس لئے کہ دوسروں کو مطلع کرنے کی اس کو اجازت نہیں ہوتی۔

ابن مفلحؒ فرماتے ہے ''جس طرح میت کی اسرار کا افشاں جائز نہیں اسی طرح مریض کے خامیوں کو بھی چھپانا چاہیے اسی وجہ سے شریعت نے اس کی کتمان پر بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۶) رحمت:۔ اس امر کو قرآن حکیم نے ذکر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ:۔ اور احسان کرو بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے''۔ (البقرہ ۱۹۵)

شداد بن اوسؓ فرماتے ہے کہ میں نے دو باتیں حضورﷺ سے یاد کی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''بیشک اللہ تعالیٰ نے احسان ہر چیز کے اوپر فرض فرمایا ہے۔ پس جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو۔ اور جب ذبح کرو تو وہ بھی اچھے طریقہ کے ساتھ کریں۔ اور چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کو تیز رکھیں تا کہ اس سے مذبوحہ کو آرام پہنچائے''۔

جب ذبح کرنے کے طریقہ پر بھی اللہ نے احسان لکھ دیا ہے تو طب اور دوا میں تو اس سے اشد ضروری ہے۔ اور رحمت وشفقت دل کی

نرمی کا نام ہے۔ جب بندہ کے اندر حواس زندہ ہو اور فکر مستقیم نہ ہو تو دوسرے کے دکھ درد کو محسوس کریگا۔ اور اسی طرح جب خوشی کو محسوس کریگا تو حواس اور فکر اس کو دوسرے کے خوشی پر بھی مجبور کریگا۔

ایک مسلم طبیب کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مریض جس کو مرض نے پریشان کر رکھا ہے اس کو تڑپائے۔ مریض کی درد بھری آواز اس کے دل کے رگ کو جلائے رکھے۔ اور اس کی حرارت اس کے جگر کو سرایت کر جائے۔ تو درد کو اس انداز سے محسوس کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبیب ہر وہ چیز کرنے کو تیار ہو جائے جس سے مریض کی پریشانی ختم یا اس میں تخفیف پیدا ہوتی ہو۔ اور یہ مؤمنین کے ان اخلاق میں سے ہے جس کی اسلام نے تربیت دی ہے۔

اور طبیب کے ان خلق سے مجرد ہونا دنیا و آخرت کے اندر مریضوں کے لئے بدبختی کی علامت ہے۔ اور طب اور اس کے اہل کے لئے عار ہے۔ ابوھریرہؓ روایت کرتے ہے کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا فرمایا ''بد بخت ہی سے رحمت چھینی جاتی ہے''۔

اور رحمت ایک کسبی شئی ہے اگر نفس کو رحم کے مشاعر پر آمادہ کیا جائے تو وہ ترقی کر سکتا ہے۔ اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ان اعمال پر تمرین، مشق کی جائے جن کی طرف رحم لوٹ کے آتی ہے۔ اور نفس کے اندر رحم کے جذبات اجاگر ہوتی ہیں۔

ابوھریرہؓ روایت کرتے ہے کہ ایک آدمی نے حضورؐ سے دل کی سختی کی شکایت کی۔ تو آپؐ نے فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ بیشک رحمت کو چھپانا اور دل کے قریب کرنا نفس کو مالداری، آسائش، جسمانی آدام اور مالداری کا فخر کے اندر مقابلہ کرنا جس سے وہ دنیاوی زندگی کماتے ہیں کے اسباب میں مشغول کرنا ہے۔ اور قریب ہے کہ متکبرین کے دلوں سے رحم ختم ہو جائے جن پر نعمت اور اسائش کی زندگی کی امید لمبی ہوتی جاتی ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے دل سخت ہو جاتے ہیں پھر وہ دوسروں کے لئے نہیں تڑپتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ترجمہ:۔ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق اللہ کی طرف نازل ہوا ہے۔ اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر اسی حالت میں ان پر زمانہ دراز گزر گیا۔ تو بہ نہ کی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر آدمی ان میں سے کافر تھے۔ (الحدید ۱۶)

مریضوں کے ساتھ اس کا سلوک:۔

آداب اور اخلاق کے دائرہ میں اسلامی شریعت کی یہ عنایت و مہربانی ہے کہ اسی نے مومن کے سلوک کو مہذب بنایا اس کے نفس کا تزکیہ کیا اور اس کے دل اور تصرفات کو برے خیالات و افکار سے پاک کیا اس کو وعدہ کے اندر پابند، قول کے اندر سچا اور معاملہ کے اندر امانت دار بنا دیا۔ تو وعدہ خلافی، عہد شکنی، معاہد کو توڑنے سے بری ہو گیا اور جھوٹ، دھوکہ اور جھوٹ باندھنے جیسے مہلک بیماریوں سے دور ہو گیا۔

اور طب ایسے شخص کا طالب ہے جو ان آداب اور ایسے اخلاق مقاصد تک پہنچانے میں مدد دیتی ہیں جو پیشہ طب سے مقصود ہے۔ مگر افسوس کہ گھٹیا نفوس ایسے اخلاق کی مخالفت ان آداب کو توڑنے اور دنیا پرستی کی زندگی کو اختیار کرنے پر اس سے منہ پھیرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

تو یہ محنت اور پیشہ جس کا مقصد پریشانیوں کو کم کرنا اور اجسام سے امراض کو دور کرنا تھا۔ ادھورا رہ گیا اور جسموں کے ضرر پر مسلط ہوگئی۔
یہ سارے وہ آداب اور اخلاق ہے جو کہ مسلم طبیب کے مریضوں کے ساتھ سلوک کو واضح کرتی ہے۔

(۱) سچائی:۔

مریض اور اس کے اہل کے معاملہ میں طبیب کے اوپر اس بات کی رعایت کرنا لازم ہے۔ تو اس کی باتیں اور اخبار حقیقت اور موقع محل کے موافق ہوگی تو شک وشبہات ان کے دل سے رفع ہوگی۔ اور اطمینان حاصل ہوتا رہیگا۔
اور یہ اچھے اسلامی معاشرہ کے اخلاق ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
ترجمہ:۔ اے ''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''۔
عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ ''بیشک سچائی نیکی کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور ایک آدمی سچ بولتا ہے حتیٰ کہ لوگوں کے اندر صادق کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہوں کی طرف اور گناہ آگ کی طرف لے جاتی ہے۔ اور ایک آدمی جھوٹ بولتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔ طب کے منظم قوانین اطباء اور اس کے امداد کرنیوالوں کے منہج کے لئے یہ بات واضح کرتی ہیں کہ طبیب کے لئے مرض کے اندر مبالغہ آرائی جائز نہیں۔ بلکہ اس کے اوپر یہ بات لازم ہے کہ مریض کو اسی بیماری اور اس کے ہی نقصان کے اندر محیط رکھے۔

(۲) مریض کے لئے نصیحت اور اس کے اوپر رحم کرنا:۔

مریض کو نصیحت کرنا مسلم طبیب کے اس کے مریض کے ساتھ اہم اخلاقیات میں ہیں۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کے اوپر حق ہے کہ وہ اس کو نصیحت کرے اور دین ودنیا میں اچھے امور کی طرف اس کی رہنمائی کریں۔
تمیم الداریؓ روایت کرتے ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''دین سراسر نصیحت ہے'' ہم نے کہا کس کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا ''اللہ کے لئے'' اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے مسلمانوں کے ائمہ کے لئے اور عامہ مسلمانوں کے لئے''۔
تو اپنے مریضوں کو نصیحت کرنا ایک مسلم طبیب کے اوپر لازم ہے۔ فائدہ مند اور کم نقصان والی باتوں کا اس کو مشورہ دیں چاہے وہ طبی چیک اَپ کے مہمات میں سے ہو یا نفس جراحات (زخم) کے مہمات میں سے ہو اور چاہے اپنے سے اچھے طبیب کی طرف اس کی رہنمائی ہو یا جہاں کا مالی خسارہ کم ہوتا ہو۔
تو نصیحت کرنا طبیب کے اوپر لازم ہے اگر چہ دینی مصالح کا فوات بھی لازم آتا ہو اور یہ اللہ کے ہاں اس کے لئے بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ اگر طبیب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ مریض کا چیک اپ ان وسائل سے کیا جائے جو ان کے ہاں موجود نہیں اور دوسرے طبیب کے پاس موجود ہیں تو اس کو چاہے کہ وہ مریض کو نصیحت کریں اور حقیقہ امر سے اس کو مطلع کریں۔ اور اسی بات کو اپنائے بشرطیکہ وہ

وسائل نقصان دہ نہ ہوں اور اس کے اس بیماری کے خلاف نہ ہو۔

اگر طبیب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ مریض کا علاج دوسرے طریقہ سے ممکن ہے جس میں اپریشن سے کم ضرر ہو تو اس کو چاہیے کہ مریض کو مطلع کریں۔ اور دینی مصلحت کے فوت ہونے کے ڈر سے نصیحت کو ترک نہ کریں۔ اور طبیب کا مریض کو دھوکہ دینا، ملاوٹ اور نصائح واجبہ کی مخالفت شمار کی جائی گی۔ اور اس کی مثال اپریشن کے امر اور اس کے تکالیف کو ایسے اسلوب کے ساتھ آسان سمجھنا کہ مریض کو اس کے کرنے پر مجبور کریں باوجود یکہ اس میں مالی تکالیف اور دوسرے خطرات موجود ہیں۔

(۳) غالب گمان رکھنا کہ علاج مریض کے لئے نفع بخش ہے:۔

مریض کے علاج کے جواز میں اس بات کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ طبیب کا غالب گمان یہ ہو کہ علاج مریض کے لئے نفع بخش ہے۔ اور طبیب کو یہ یقین ہو جائے کہ علاج مریض کے لئے نقصان دہ ہے۔ یا اس کی وجہ سے اس کی ہلاکت ہو سکتی ہے۔ تو مریض کے لئے طبیب کو دوا تجویز کرنا جائز نہیں۔

امام العز بن عبدالسلامؒ فرماتے ہے کہ ''اگر کوئی مصلحت اسی وقت ہی حاصل ہو سکتی ہو کہ بعض کو نقصان پہنچایا جائے جس طرح کہ روح کی حفاظت کے لئے ہاتھ کا کاٹنا تو اگر سلامتی کی امید زیادہ ہو تو ہاتھ کو کاٹنا جائز ہے''۔

(۴) وقت مقررہ پر کام کرنا:۔

مرض کے معاملے میں اطباء کو محدود اوقات کے اندر چند ضروری اور مرتب لوازمات کا پابند ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جن کا مریضوں نے چیک اَپ کے اجراء اور لازم علاج میں خاص خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اور شرعی طور پر ان مواعید (اوقات کار) کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ تو ان کے اوپر یہ بات لازم ہے کہ مریضوں کے اوقات کو تبدیل نہ کریں ہاں اگر تحقیق کے بعد یا اس کے پورے کرنے پر غالب ہو تو گنجائش ہے۔

ابوھریرہؓ روایت کرتے ہے: کہ آپؐ نے فرمایا ''منافق کی نشانیاں تین ہے۔ جب بولے تو جھوٹ، وعدہ کریں تو خلاف ورزی اور امانت رکھیں تو خیانت کریں''۔

تو اس بنیاد پر ایک مسلم طبیب پر وعدہ پورا کرنا شرعی طور پر لازم ہے اور ان اہم امور کو پورا کرنا جو مریضوں کے اوقات کار کے معاملہ میں ہو۔ اور ان اوقات میں تاخیر کرنا یا نفسی تقاضے کے مطابق کرنا شرعی طور پر جائز نہیں۔ تو اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو جن کی وجہ سے اوقات میں تأخیر لازم آتا ہو تو اطباء گناہ گار ہیں۔ مثال کے طور پر ایسی اضطراری حالت پیدا ہو جائے کہ مریض کو موت کے ڈر سے نکالنے کے لئے تیز ایمبولینس کی ضرورت ہوتی ہے یا اعضاء میں کسی عضو کے ہلاکت ہونے کا ڈر ہو۔

مختصر یہ کہ طبیب کو چاہیئے کہ وہ دونوں ضرورتوں کے اندر موازنہ کریں اور دونوں حالتوں میں مرتب ہونے والے نتائج اور مفاسد پر نظر

رکھیں۔اگر طبیب کسی شرعی عذر کے بناء پر وعدہ پورا نہیں کرسکتا تو اس کے آداب میں سے ہے کہ وہ مریضوں کو مطلع کریں۔اس لئے کہ ان کا اُمید کی حالت پر باقی ان کے لئے باعث مشقت ہے۔جیسا کہ مریضوں کا آنا اور اپنے کاموں کو چھوڑنا اور اس کے علاوہ بھی ان کو ضرر ہیں۔

(۵) معاہدہ کا پابند ہونا:۔

کبھی کبھی طبیب مریضوں کے ساتھ ان کے علاج میں بعض اہم طبی امور میں معاہدہ کرتا ہیں۔یہ عقود پورا کرنا ان پر لازم ہے اور وجہ مطلوب اس کی اداء کرنی چاہیئے۔اس لئے کہ یہ ان عموم کے اندر داخل ہے۔جو اللہ تعالیٰ نے عقود پورا کرنے کے لئے قرآن کریم میں حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ترجمہ:۔''اے ایمان والو! عہد کو پورا کیا کرو''۔

اگر عذر شرعی لاحق ہونے کے بغیر ایک مسلم طبیب ان عقود کی عہد شکنی کریں۔تو وہ شرعی طور پر گناہ گار ہوگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اگر طبیب کا مریض کے ساتھ معاہدہ ہو جائے پھر اس کا علاج نہ کریں حتیٰ کہ مریض ہلاک ہو جائے تو اگر عمداً اس نے یہ کام کیا ہو تو قاتل عمد اُشمار کیا جائے گا۔اور اس کا ارادہ علاج نہ کرنے میں ثابت ہوگا۔

اور اگر اس کا یہ قول کسی شرعی حیثیت سے ہو تو اس کا اطلاق طبیب پر نہیں کیا جائے گا۔اس لئے کہ ان اسباب کے وجود میں ایسا شبہ پایا گیا جو کہ حد کو ختم کرنے کے موجب ہے۔جس طرح کہ قاعدہ ہے''حدود کو شبہات کے ساتھ دفع کرو''۔

(۶) مریض کے ستر کی حفاظت کرنا:۔

شرعی دلائل ستر کی حفاظت شرمگاہ کی چھپانے اور بغیر حاجت سے اس کی طرف دیکھنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ترجمہ:۔اپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے نگاہوں کو نیچے رکھے اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔یہ ان کے لئے صفائی کی بات ہے اور بیشک اللہ کو سب پتہ ہے۔جو یہ کرتے ہیں اور آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے غالباً کھلا رہتا ہے۔اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالا رہا کریں اور اپنی زینت کے مواقع مذکورہ کو کسی پر ظاہر نہ کریں''۔

ابوسعید الحزریؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہے کہ آپؐ نے فرمایا''مرد، مرد کے عورت کی طرف نہ دیکھیں۔اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھیں''۔

تو اسی بنا پر ایک مسلم طبیب شرعی طور پر عورت کی حرمت کی رعایت رکھے اور اس ادب کو لازم پکڑنے کا پابند ہے پس طبیب کے لئے مریض کے عورت کو کھولنا مرد ہو یا عورت، جائز نہیں ہے۔ہاں اگر ایسی حاجت پیش آئے کہ اس کے بغیر چیک اپ یا علاج مکمل نہ ہو

تو اس صورت میں جائز ہے اور یہ سب کچھ اس ادب کی رعایت رکھتے ہوئے ہے جو کہ ایک مسلمان پر فرض ہے۔ اگر اطباء اس واجب کو پورا نہ کر سکے اور مریض سے کشف عورت کا مطالبہ کریں حالانکہ اس کے بغیر مریض کا چیک اپ یا علاج کرنا ممکن ہو تو اس کی ذمہ داری میں اس واجب کی کمی رہ جاتی ہے۔ اور اس عورت کی طرف دیکھنے کو مباح سمجھتے ہوئے مریض کی حرمت کو چاک کر دیتے ہیں اور قاضی کو چاہیئے کہ جس سزا کا وہ مستحق ہو اس کی ملامت کریں۔

(۷) مریض کو معاف کرنا:۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مرض کی حالت میں مریض سے بعض ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو کہ عام حالات میں پیش نہیں آتے۔ مگر بعض امراض میں جیسا کہ نفسانی شدت جس سے بعض اہم حالات پیش آتے ہیں۔ بعض امراض ایسے ہوتے ہیں۔ جو ذہن کے اوپر اثر کرتے ہیں۔

تو ایسے حالات میں مریض کبھی کبھی طبیب کے ساتھ بدتمیزی کر بیٹھتا ہے۔ یہ بدتمیزی معنوی ہوتی ہے۔ جیسا کہ طبیب کو بری بات کے ساتھ گالی دینا، تہمت لگانا وغیرہ اور کبھی بدتمیزی جسدی لحاظ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ طبیب کے سلیم عضو کو نقصان پہنچانا یا دماغ کو نقصان پہنچانا تو ایک مسلم طبیب کی یہ ذمہ داری ہے کہ طبیب صبر اور عفو کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور ان بُرے افعال کو برداشت کریں چاہے ارادہ سے ہو یا بغیر ارادہ کے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ترجمہ:۔ ''محمدؐ اللہ کا رسول ہے اور جو ان کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہے اپنے درمیان رحم رکھنے والے رحمدل ہیں''۔ (الفتح ۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ترجمہ:۔ ''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا۔ جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔ وہ نرم دل ہوں گے۔ مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو متوجہ کر کے فرمایا ترجمہ:۔ ''اور مومنوں کے لئے اپنے بازوں جھکائے رہیں کفار پر''۔ (الحجر ۸۸)

ان نصوص کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ رحم، ایک دوسرے کے لئے جھکتا اور بدتمیزی کے وقت غیر کی حالت کی رعایت رکھنا۔ اور مریض اور آپ کے درمیان جنگ، لڑائی تک بات نہ چلے۔

تیسرا بحث اس معاملہ کے اصول وقواعد:۔

ایک مسلم طبیب کے اپنے نفس (ذات) کے ساتھ اور مریضوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے آداب اور اخلاقیات کی ذکر کے بعد ان اصول وضوابط کو ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کی طرف اس معاملہ کے اندر رجوع کیا جاتا ہے اور یہ اس کے علاوہ دوسرے اصول وضوابط پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

(۱) صناعت (پیشہ) کے اندر ماہر ہونا:۔

مسلم طبیب کو چاہیئے کہ وہ ان کی طرف لوگوں کی احتیاج کو معلوم کریں اور اپنے کام کے اندر اخلاص پیدا کردیں اور اپنے کام کے اندر ماہر ہونا، مضبوط ہونا اخلاص میں سے ہے۔ اور طبیب کی مہارت حضورؐ کی اس قول سے سمجھ میں آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ نے ایسی بیماری کو نازل نہیں کیا مگر اس بیماری کے لئے شفا کو بھی نازل فرمایا اس کا علم اس کے علم سے اور جہل اس کے جہل سے ہے''۔

تو حدیث کے اندر طبیب کو شفا بخش ادویات کو تلاش کرنے طبی معارف سمجھنے اور اپنے فن میں مہارت پر ابھارا جارہا ہے۔

اس لئے کہ دواء کی معرفت ہی شفاء کا باعث ہے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''ہر بیماری کے لئے دواء ہے پس جب بیماری کی دوا پائی جائے تو اللہ کے حکم سے شفا حاصل کر سکے گا، اور حضورؐ نے یہ بھی سکھلایا ہے۔ کہ ہر علم اور پیشہ کے اندر سب سے زیادہ ماہر اور عالم سے استعانت طلب کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ ماہر کا علاج کرنا شفا کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

امام مالکؒ اپنی کتاب موطاء میں زید بن اسلمؒ کی روایت ذکر کرتے ہے۔ کہ آپؐ کے اصحاب میں سے ایک صحابی زخمی ہوگئے۔ تو انصار کے دو آدمیوں نے اس کے لئے دعویٰ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آپ میں سے کون زیادہ طب کو جانتا ہے؟ تو ان میں سے ایک نے کہا۔ کہ اے اللہ کے رسول! کیا طب میں بھی افضلیت ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''جس نے بیماری کو نازل فرمایا ہے۔ اس نے دواء کو بھی نازل کیا ہے؟۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہے۔ کہ ''ادھی بات کرنیوالا، ادھا فقیہ، ادھا نحوی اور ادھا طبیب لوگوں کو فساد میں ڈالتا ہے۔ یہ دین کو بگاڑتا ہے۔ یہ شہروں کو خراب اور زبان کو برباد کردیتا ہے یہ بدن کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

(۲) امت کو اطباء کا محتاج ہونا:۔

لوگ مختلف زمانوں اور مختلف اداروں میں ایسے طبیبوں کے محتاج ہیں جو کہ مریضوں کے علاج کی کوشش کر سکے، ان کے مراعات کو پورا کر سکے اور مختلف بیماریوں کے اضرار اور نقصانات سے اللہ کے حکم سے ان کو بچا سکے اور معاشرہ کو طبیب کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہے۔ خاص طور پر ایسے وبائی امراض کے پھیلنے کے وقت جو تھوڑے وقت کے اندر امت میں پھیل جاتی ہیں۔ جس طرح امت ہدایت کے راستے پانے میں اور ایک واضح راستے پر چلنے میں ایک عالم کو محتاج ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلم طبیب کو بھی محتاج ہے جو ان کے جوانوں اور بوڑھوں کو امن دیتا ہے اور غیر مسلم طبیبوں سے ان کو چھٹکارا دیتا ہے۔

اور بعض اہل علم غیر مسلم طبیبوں سے علاج کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ ابن مفلحؒ فرماتے ہیں ''مسلمان کے لئے ذمی سے بغیر ضرورت علاج کروانا ٹھیک نہیں اور اس سے دوا تجویز کروانا بھی ٹھیک نہیں جب تک ان کی وہ مفردات واضح نہ ہو جو مباح ہے۔ اور اسی طرح ذمی عورت بھی مسلم عورت کا علاج نہ کرے جب مسلم عورت ان کا علاج کرواسکتی ہے''۔

اور امام احمدؒ مشرک کے دواء کو استعمال کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ امام المروذیؒ فرماتے ہے۔ کہ امام احمدؒ مجھے کافر اور نصاریٰ کے ادویات اور جو

وہ تجویز کریں اس سے منع فرماتے تھے۔ اگر ایک غیر مسلم طبیب ثقہ ہو، امین ہو تو اس سے علاج کروانا جائز ہے، جس طرح امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہودی یا نصرانی کو طب کا علم ہو۔ انسان کے ہاں ثقہ ہے تو اس سے علاج کروانا جائز ہے جس طرح اس سے معاملہ کرنا اور اس کو مال دینا جائز ہے۔ جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: ''اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر تو انہیں خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کردے اور بعض ایسے ہیں کہ اگر انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو وہ تجھے ادا نہ کریں''۔ (آل عمران ۷۵)۔

اور صحیح بخاری کے اندر ہے کہ نبی کریمؐ نے جب ہجرت فرمائی تو آپؐ نے ایک مشرک آدمی جس کو راستے کا علم تھا کرایہ پر لیا تھا۔ اور آپؐ کے مالی اور جان کی حفاظت فرمائی تھی۔ اور بخاریؒ اور احمدؒ نے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے کہ بنوخزاعۃ کے لوگ (مسلم ہو یا کافر) حضورؐ کی مدد کرنے والے تھے۔ روایت ہے کہ آپؐ نے حارث بن کلاۃ۔ (جو مشرک تھے) علاج کروانا جائز فرمایا تھا۔ اگر مسلمان کے لئے اس سے علاج کروانا ممکن ہو تو یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنا یا سامان رکھوانا۔ تو اس سے اعراض کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اہل کتاب کے امن یا علاج کروانے کا محتاج ہو تو بھی یہ حکم ہے۔ یہود اور نصاریٰ کے ولایت سے نفی نہیں ہے کہ اگر اچھے طریقے کے ساتھ مخاطب ہو تو معاملہ کرنا اچھا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے۔ ترجمہ اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو۔ (العنکبوت ۴۶)

(۳) مسلمان کے ستر کی حفاظت کرنا:۔

طبیب اور مریض کا تعلق ایک عظیم بنیاد پر قائم ہونا چاہیئے جس میں مسلمان کے خون، مال اور عزت کی حفاظت کا خیال رکھا جاتا ہو۔ مریض کا علاج کرتے وقت یا اپریشن کے عمل کے دوران طبیب اس کے عورت کا ظاہر کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے۔ تو طبیب کا چاہیئے کہ اس بنیاد پر اس کے ساتھ معاملہ کریں۔ اور جتنا ممکن ہو سکے مریض کے عورت کی طرف نہ دیکھے نہ، چھوئیں یا اتنا ہی دیکھیں جس قدر اس کی ضرورت ہو۔ اور آنکھوں کو اس سے چھپانے کی کوشش کریں اور اس کو نہ کھولیں تو وہ اپنے کام میں امانت دار ہوگا۔

(۴) مادی طمع سے دوری:۔

مادی طمع سے دوری پر مریض کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ جب درد سے پریشان ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی کسی لذت کو محسوس نہیں کرتا اور زندگی کا مزہ نہیں چکھتا، اسی وجہ سے وہ اس درد کو اپنے ہاتھ سے دور کرنے کے لئے کسی قسم کی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

اس لئے طبیب کے اوپر یہ بات لازم ہے کہ وہ اس بات کو جان لیں کہ مریض کے لئے کونسی دوا تشخیص کرنی ہے۔ یا کونسی طبی اجراء کرنی ہے۔ اگر ایسی دواء تجویز کی جو مریض کی ضرورت نہ ہو تو وہ باطل سے لوگوں کا مال کھانے والا شمار ہوگا۔ اور اسی وجہ سے اہل علم کافن (جو کہانت کے اوپر مال لیتا ہے) کے مال کو باطل سے مال کھانے والا شمار کرتے ہیں۔

طبیب کے اوپر یہ بات بھی لازم ہے کہ مریض کو جس دواء کا علاج یا اپریشن کی ضرورت ہو اس سے تجاوز نہ کریں۔

مریض کے اوپر ایسی چیز لاگو نہ کریں جس کی مریض کو ضرورت نہ ہو۔ اور یہ سب کچھ ایک بنیاد کے تحت ہے وہ یہ کہ مسلمان کا خون، مال اور عزت لوٹنا حرام ہے۔

پس طبیب کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مریض کا ایسا علاج یا اپریشن کریں حالانکہ مریض کا علاج اس کے بغیر ممکن ہو۔ ایسا ہی علاج کروائے جتنی مریض کی ضرورت ہو چاہے اگر ضرورت اپریشن کی ہو کہ اس کے بغیر اس کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا ایسی ضرورت ہے کے اس کے بغیر درد وغیرہ کنٹرول ہی نہ ہو سکے۔

(۵) طبیب کو شرع کے سامنے جھکنا چاہیے:۔

انسانی جسم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس طرح کہ شرعی نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اسی وجہ انسان کو خود اس کے اندر تصرف کرنا یا اس تصرف سے دوسرا کام اختیار اور طب اپریشن کا عمل ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں۔ جس میں بعض شرعیت کے موافق ہے۔ اور قرآن وحدیث میں اس جس اندر موجود ہے اور بعض شریعت کے خلاف ہے۔ تو جن پر نصوص وارد ہے۔ تو اس کی اجازت ہے اور جس پر کوئی نص وارد نہ ہو اس کی اجازت نہیں ہے۔

(۶) استقلال اور درائیت:۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کا ہر عاقل، بالغ ہدایت یافتہ انسان قبول اور عدم فضل میں (طبعی علاج یا طبی اجراء) اپنا حق پا سکے۔ اور اس حق کو سوائے انعقاد کے حالات کے نہیں ٹھکرایا جاتا اور خاص طور پر متبلا بہ شخص کی عدم موجودگی کے وقت حق کو پانے اور قبول کرنے کے لئے پریشانی کے وقت بچوں یا غیر ہدایت یافتہ لوگوں کا علاج کرتے ہوئے یا طبی عمل کے دوران ان کے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ اور عاقل بالغ مریض کے ساتھ بھی ہنگامی حالت میں ولی کا ہونا ضروری ہے۔ جب وہ غیر مدرک یا قاصر ہو۔

طبی اجراء میں اجازت کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ طبیب کے ذہن میں یہ بات ہو کہ کونسا عمل اس کے لئے کیا جا رہا ہے اور اس عمل کے کون کونسے فوائد یا نقصانات پیدا ہو سکتے ہیں تا کہ اپنے بارے میں اس کو پوری معلومات حاصل ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ترجمہ:۔ ''دین کے اندر کوئی جبر نہیں''۔ تو شعبہ طب کے اندر بدرجہ اولیٰ کوئی اکراہ نہیں ہونا چاہیئے۔

آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں:

almubahisulislamia@yahoo.com

.....☆☆☆☆☆.....

فقہ الزکاۃ

بیت المال کا اسلامی تصور، طریقۂ کار

مولانا ڈاکٹر حمید اللہ

ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی

بیت المال کا لغوی معنی:

خزینۃ المال (المنجد، (دار المشرق، بیروت، ۱۹۶۰ء) ص ۵۵. یعنی مال کا خزانہ ''حکومت اسلامی کا خزانہ'' (عبدالحفیظ بلیادی: مصباح اللغات (دہلی، ۱۳۶۹ھ) ص ۵۵، القاموس الحدیث، ص ۶۰۵)

''مال یا دولت کا گھر'' (ظفر نیازی: نقاد اللغات (نقاد بک ڈپو، کراچی، ۱۹۶۰ء) ص ۷۶۔

اصطلاحی تعریف:

''کسی مسلم ریاست کے خزانے یا اسلامی سلطنت کے اس خزانہ خاص کو کہتے ہیں جس کو ریاست بلکہ اسلامی حکومت عام رعایا کی اصلاح و بہبود کے لئے خرچ کرتی ہے''۔ (منشی محبوب عالم: اسلامی انسائیکلو پیڈیا (پیسہ اخبار، لاہور) ۱/۱۵۳)۔

''بیت المال سے مراد مسلمان عوام کا بینک بھی ہے اور قومی خزانہ بھی، ملی جائداد کا ضامن بھی، تجارت کا ارادہ بھی، امانت کا محافظ بھی اور مسلمانوں کے مرکزی ادارے کا سرکاری خزانہ بھی''۔ (اسلم: اسلام کا جمہوری نظام (لاہور)۔

بقول مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے حکومت ربانی (خلاف اسلامی) کے لئے خزانہ سرکاری کا وجود ضروری ہے۔ اس خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں۔ اور اگرچہ کبھی کبھار ''بیت المال'' کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے ملکی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔'' (اسلام کا اقتصادی نظام (دینی کتب خانہ، لاہور، ۱۳۶۱ھ) ص ۱۲۰)

''اسلامی ریاست اپنی مالیتی پالیسی کو بروئے کار لانے کے لئے اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے سرکاری خزانہ قائم کرتی ہے اور سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں۔ ''بیت المال'' کا لفظ اسلامی ریاست کے پورے نظام، مالیات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔'' (اردو دائرہ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء) ۵/۱۹۷ نور محمد غفاری: اسلام کا نظام مالیات، ص ۴۰)

"Baitul Mall means treasurer, especially that of State and is applied not to the actual building in which the financial business of the State is trasacted but also in a figurative sense to the national exchequer or fiscus"۔

(Encyclopedia of Islam, Vol.1,P.598)

بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم کے نمائندوں کے مشورے کے مطابق ہونا چاہیئے ..... مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے۔ (مودودی، معاشیات اسلام (لاہور، ۱۹۷۵ء) ص ۳۹۱)۔

تاریخ وارتقاء:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا: علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''اسلام میں فاروق اعظم سے پہلے نہ تو اس قدر کثیر رقم آئی تھی کہ جس کے رکھنے کے لئے ''بیت المال'' یا خزانہ بنایا جاتا اور نہ اس کی ایجاد ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو رقمیں آتی تھیں وہ کل ایک ہی نشست میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اس کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ جو مال آتا اس کو تقسیم کر دیا جاتا۔ ۱۵ھ میں یا اس کے قریب ''بیت المال'' کی ابتدا یوں ہوئی کہ بحرین سے پورے سال کا خراج پانچ لاکھ دراہم آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رقم کثیر کی بابت مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تجویز دی کہ اس کو ایک سال کے اندر تقسیم کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی مخالفت کی ولید بن ہشام نے بتایا کہ شام کے یہاں خزانہ اور دفتر جدا جدا محکمہ دیکھا ہے حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو پسند کیا اور ''بیت المال'' کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں ''بیت المال'' قائم ہوا اور اس کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے۔ اور حساب وکتاب میں کمال مہارت رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ اور صوبوں اور صدر مقاموں میں ''بیت المال'' قائم کئے اور اس کے آفیسر جداگانہ مقرر فرمائے۔ مدینہ کے علاوہ اور صوبہ جات اور اضلاع کو یہ ہدایت تھی کہ وہاں کے ضروری مصارف کے لئے رقم نکال کر بقیہ جس قدر ہو سال تمام پر مدینہ منورہ کے ''بیت المال'' میں بھیج دیا کریں۔

چنانچہ عمرو بن العاص کو ایک فرمان جاری کیا تھا جس کے الفاظ تھے۔

''فاذا حصل الیک وجمعته اخرجت منه عطاء المسلمین وما یحتاج الیه مما لا بد منه ثم انظر فما فضل بعد ذلک فاحمله الی''

ترجمہ:۔ تجھ کو کل مالیہ وصول ہو جائے تو ان کو جمع کر لے اور اس میں سے مسلمانوں کے ضروری وظائف اور ضروریات نکال لے اس کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ میرے پاس بھیج دے۔'' (تاریخ ابن خلدون، ترجمہ حکیم احمد حسین (دواخانہ پریس، الہ آباد، ۱۳۴۸ھ) ۴/ ۱۴۷۔۱۴۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ ''بیت المال'' کی عمارت تعمیر کروائی'' (شبلی نعمانی: الفاروق، ص ۴۳)

لیکن عموماً خالی رہتا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے ''بیت الما'' کو خالی پایا۔(شبلی نعمانی: الفاروق، ص ۴۱، ابن سعد: الطبقات الکبری، ۳/۱۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ''بیت المال'' کے سلسلے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ حضرت عثان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے الگ کوئی طریقہ اختیار کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام ''بیت المال'' کو قائم رکھا۔ بے شک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ''بیت المال'' کی آمدنی بڑھ گئی۔(الطبری، ۴/۲۸۰، الفاروق، ص ۴۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ''بیت المال'' کی حفاظت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اہتمام کیا۔ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے ''بیت المال'' سے دس ہزار کی رقم لے لی تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ رقم اُن سے واپس کروا دیا۔(یعقوبی، ۲/ ۲۳۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع ''بیت المال'' کے نگران تھے ایک دفعہ انہوں نے ''بیت المال'' سے ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جب فاطمہؓ کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی ایک کھال تھی جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔(ابن الاثیر: ۳/ ۱۵۹ر تاریخہ)/معین الدین ندوی: تاریخِ اسلام، ص ۲۹۵_۲۹۶)

خلافتِ راشدہ کے دور حکومت میں ''بیت المال'' کی آمدنی تسلی بخش تھی صرف سواد اور کوفہ کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری عہد میں ایک کروڑ درہم تھا۔ آمدنی خرچ سے بڑھ گئی تھی۔ ہر طرف سادگی تھی، تنخواہوں می اعتدال تھا۔ خلفاء خود اور ان کے امراء ''بیت المال'' سے کم فائدہ اٹھاتے تھے۔

اموی دور میں ''بیت المال'' کا تعلق اسی نہج پر رہا جس طرح کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مقرر کر گئے تھے۔ کوئی قابلِ ذکر تبدیلی کا ذکر نہیں ملتا صرف خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کچھ مالی اصلاحات کی تھیں۔ جن کا ذکر قاضی یوسف رحمہ اللہ نے کیا ہے:

''عبدالملک بن مروان حکمران ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے محاصل کے بارے میں از سر نو جائزہ لیا اور محنت کرنے والوں کے لئے مناسب حیثیت میں معاوضہ کا انتظام کروایا''۔ (ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۴۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیت المال کے مصارف میں کافی اصلاحات کیں ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے، سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا، اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو سخت تنبیہ کرتے تھے۔ (ابنِ حجر عسقلانی: الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۵/۸۰)

وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے ان کے قرض کی ادائیگی کی مد قائم کی (ابنِ سعد: الطبقات الکبری، ۵/ ۲۵۵)

شیر خوار بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے (ابنِ سعد: الطبقات الکبری، ۵/ ۲۸۷)

ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔(ابن سعد: الطبقات الکبری، ۵/ ۲۵۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ڈھائی سال کی خلافت میں لوگ اتنے خوشحال ہوئے تھے کہ کوئی شخص ''بیت المال'' سے صدقہ ''زکوٰۃ'' لینے کے لئے تیار نہ تھے۔(سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۸۵)

عباسی دور میں مالی نظام کم وبیش وہی رہا۔ آمدنی کا سب سے بڑا حصہ خراج تھا۔ بعد کے ادوار آمدنی کے اہم ذرائع خراج اور غیر شرعی ٹیکس رہے ہیں۔علاؤالدین خلجی نے خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا۔(مفتی محمد شفیع: اسلام کا نظام اراضی، ص ۷۸)

آج کل تمام اسلامی ممالک (الا ماشاء اللہ) میں بیت المال کا نظام تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔اس نظام کو از سر نو نافذ العمل کرنے کی ضرورت ہے۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی:

العشر ،الخراج ،الجزیة، الفئ ، الزکاۃ ، الخمس ، العشور ، الوقف ، اموال فاضله مریز محاصل (عارضی ٹیکس)

ان کی تفصیل یوں ہے:

۱ : العشر :

عشری زمین وہ ہے جس کے باشندے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیں یا فوج کشی کے ذریعے غیر مسلموں کا علاقہ فتح ہو جائے اور وہ زمین مسلمانوں (فاتحین) میں تقسیم کی جائے یا وہ زمین (بنجر) جس کو مسلمان آباد کرلے۔

اگر ندی نالہ اور تالاب سے سیراب شدہ زمین ہے تو اس کی پیداوار پر نصف عشر (بیسواں) زکاۃ فرض ہے۔(السید سابق: (فقہ السنۃ) (دارالکتاب، بیروت، ۱۴۰۵ھ)۱/ ۳۵۵)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(**واتوا حقه' یوم حصاده**) انعام : ۱۴۱) ترجمہ:۔جس دن کٹیں (یا توڑے جائیں) ان کا حق ادا کرو۔

اور حدیث نبوی ہے: **فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر** .(**الجامع الصحیح البخاری ، (نور محمد . کراچی) ۱/۱/ ۲۰۱**). جس کا ترجمہ اوپر کیا گیا ہے۔

۲ : الخراج :

خراجی زمین وہ ہے جس پر مسلمان قوت (فوج کشی) کے ذریعے قابض ہو جائے اور زمین مفتوح غیر مسلموں کے پاس رکھ چھوڑے اور اس پر ٹیکس مقرر کرے جو وہ ادا کریں۔(السید سابق: فقہ السنۃ ،۱/ ۳۵۵، وابو عبید: کتاب الاموال (دارالفکر، بیروت، ۱۳۹۵ھ) ص ۹۳_۹۴، ۶۹)

سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران، عراق اور مصر کی زمینوں کو خراجی قرار دیا بعد ازاں بہت سے دوسرے علاقے فتح ہوئے تو ان کی بعض زمینیں خراجی قرار پائیں۔ (مودودی: مسئلہ ملکیت زمین، ص ۳۳۔۳۷)

جو زمینیں ایک دفعہ خراجی قرار دے دی جائیں ان پر ہمیشہ خراج ہی عائد ہوگا خواہ بعد ازاں وہاں کے باشندے اسلام قبول کرلیں یا وہ زمینیں مسلمان خرید لیں۔

۳: الجزیہ:

ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ جزیہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان و مال کے تحفظ کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لئے آمادہ ہوں اور ریاست اس پر اعتماد کرسکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں جو مال نہیں رکھتے۔ (الشوکانی: نیل الاوطار، ۸/۶۳/ امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق، ص ۳۷)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو جہاد کے لئے روانہ فرماتے تو غیر مسلموں کے سامنے تین شروط رکھنے کا حکم دیتے تھے:

(۹) قبول اسلام کی دعوت (ب) جزیہ کی ادائیگی، (ج) آخری بات جہاد (قتال) (ابن قدامۃ: المغنی (مکتبہ ریاض، ۱۹۷۱ء) ۸/۴۹۶)

۴ الفیٔ:

جو مال جنگ بندی کے بعد اور اس ملک کے اسلامی ملک بننے کے بعد ان مفتوح لوگوں سے حاصل ہو وہ فیٔ ہے۔ یعنی بغیر جنگ (قتال) کے حاصل ہو جائے یہ مال سارے کا سارا بیت المال کا حصہ ہے۔ اس میں خمس (۱/۵) ہی نکالا جائیگا۔

اور یہی نوعیت اس مال کی بھی ہے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے دشمن سے مل جائے۔ صلح کے نتیجہ میں مفتوح ملک سے حاصل ہونے والا مال بھی فیٔ میں شامل ہے۔ (الماوردی: الأحکام السلطانیہ (المکتبہ التوفیقیۃ، مصر) ص ۱۴۳۔۱۴۵ ابوعبید: کتاب الأموال، ص ۲۷۱ و مابعدھا)

۵ الزکاۃ:

زکاۃ اسلامی ریاست کے ہر عاقل و بالغ و مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو نابالغ بچوں، مجنوں افراد کے مال میں زکاۃ کے قائلین اکثر علماء ہیں یعنی جمہور۔ احناف کے نزدیک نابالغ بچوں اور مجنوں افراد کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں زکاۃ ہے لیکن مویشی، نقد اور مال تجارت میں زکاۃ نہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ ان کے مال پر زکاۃ فرض ہے۔ (ابن رشد: بدایۃ المجتہد، ۱/۲۵۵ محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت، ۲/۲۳۔۲۴)

سونے کی وہ کم از کم مقدار جس کے مالک سے زکاۃ وصول کی جائے گا۔ اکثر فقہاء کے نزدیک بیس دینار ہے۔ پاکستان و ہندوستان میں مشہور نصاب ۷½ تولہ یا ۸۷.۵ گرام ہے۔ (ایضاً مذکورہ مراجع)

زیادہ مناسب راجح مسئلہ یہ ہے کہ سونے کو معیار بنانے کے بجائے چاندی کو معیار مقرر کیا جائے۔اس بات کی تائید ابومسعود کاسانی (حنفی) نے کی ہے۔سونے اور چاندی کی شرح زکاۃ ۲/۱ ۲ فیصد سالانہ ہے۔(بدائع الصنائع ۲/۱۸)

مالِ تجارت :

ان پر بھی تمام فقہاء (اہل ظاہر کے علاوہ) کے نزدیک زکاۃ فرض ہے بشرطیکہ سامانِ تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔(المادودی: الاحکام السلطانیہ،ص ۱۲۸/ ابوعبید: کتاب الاموال،ص ۵۲۳)

تجارتی مال پر زکاۃ عائد کرنے کی حکمت تاجروں کو احتکار اور اکتناز (ذخیرہ اندوزی وغیرہ) سے روکنا ہے اور مصنوعی قلت اور قیمتوں کے چڑھاؤ پر قابو پانا ہے۔

مویشیوں پر زکاۃ:

مویشیوں پر زکاۃ کی فرضیت کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

(ا) جانور جنگل میں چرنے والے ہوں (سال کا بیشتر حصہ)

(ب) ان جانوروں کو خاص شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے پورا سال گزر جائے درمیان سال میں نصاب میں کمی نہ آئے۔(المادودی :الاحکام السلطانیہ،ص ۱۳۱)

اونٹ کا نصاب پانچ (۵)، گائے بیل اور بھینس کا تیس (۳۰) بھیڑ، بکری اور دنبہ کا چالیس (۴۰) ہے۔(الجزیری: الفقہ علی المذاہب الأربعہ (مصر) ۱/ ۵۹۶، ۵۹۷)

نقود (نوٹ):

نقد روپیہ وغیرہ پر اس صورت میں زکاۃ فرض ہوگی اگر وہ اتنی ہو کہ چاندی کا نصاب یعنی ۲/۱ ۵۲ تولے یا ۶۱۲ء۴ گرام چاندی خرید سکے اور یہ نقدی سال کے دونوں طرف پائی جائے۔((الجزیری: الفقہ علی المذاہب الأربعہ (مصر) ۱/ ۶۰۵۔۵۹۷)

۶ : الخمس:

اسلام کے نظام مالیات میں خمس ۵/۱ مندرجہ ذیل اموال پر ہے:

(ا) مالِ غنیمت کا ۵/۱ ، (ب) دفینوں کے مال کا ۵/۱، ج کانوں سے نکلے ہوئے سونے اور چاندی کا ۵/۱ یہ خمس بیت المال کا حصہ ہے۔ (غفاری: اسلام کا نظام مالیات،ص ۷۵۔۷۶)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل" (الانفال : ۴۱)

ترجمہ:۔ جان لو! کہ تم کو کسی چیز سے مالِ غنیمت ملے تو اس میں پانچویں حصہ اللہ کے واسطے ہے اور رسول اللہ کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رکاز (دفینہ) پر خمس ہے"۔ (النسائی، ۱/۲۴۹ (باب المعدن)

۷ العشور :

مالِ تجارت پر عائد کردہ ٹیکس کا نام "عشور" ہے چونکہ ایران اور روم کی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی بھی مسلمان تاجران کے سرحدوں میں تجارت کے لئے داخل ہوتے تو وہ حکومتیں ان سے ٹیکس وصول کرتیں لیکن غیر مسلم تاجر جب مسلمان ریاست میں آتے تو کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ اس معاملہ کو حضرت موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان جاری کیا:

"خذ أنت منهم كما يخذون من تجار المسلمين وخذمن أهل الزمة نصف العشرومن المسلمين من كل أربعين درهما درهم مازاد فبحسابه" (ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۳۵)

ترجمہ:۔ اہل ذمہ سے نصف عشر ۲۰/۱ اور مسلمانوں سے یہ چالیس درہم پر ایک ۴۰/۱ درہم وصول کرلیں اور زائد مال پر اسی حساب سے وصول کریں۔

۸ الوقف :

بیت المال کی آمدنی کا ایک ذریعہ وقف بھی ہے۔ یہ آمدنی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ یا اسی قسم کی جائداد سے ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الخراج وغیرہ۔ (ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۳۲)

۹ اموال فاضلہ:

اس میں بیت المال کے متفرق آمدنیاں شامل ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کا مال "بیت المال" کا حق ہے، اسی طرح کوئی مرتد ہو جائے۔ (العیاذ باللہ) تو اس کا تمام مال ضبط ہو کر بیت المال کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ (عبدالوہاب خلاف: السیاسۃ الشرعیۃ (دارالاحصار، قاہرہ، ۱۳۹۷ھ) ص ۱۲۸ الحدیث وردفی سنن ابوداؤد، ص ۴۰۲)

۱۰ مزید محاصل (عارضی ٹیکس):

مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت تین مختلف طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے، اولاً یہ کہ شرعی محاصل سے ہونے والی آمدنی ریاست کے بنیادی فرائض: دفاع، جہاد، تعلیم و تربیت، دعوت اسلام، تبلیغ (امر بالمعروف، ونہی عن المنکر)، قیام عدل اور کفالت عامہ کے لیے ناکافی

ہو، ثانیاً: اسلامی ریاست کو ملک کے معاشی تعمیر وترقی اور خود اپنے مصارف حکمرانی پورے کرنے کے لئے مزید مال کی ضرورت ہو۔ اس لئے کہ عشر وزکاۃ کی آمدنی کو مصارف حکمرانی پر نہیں خرچ کیا جاسکتا۔

ثالثاً: اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر ہر آدمی کی کفالت کا انتظام کرے اور معاشی ناہمواری دور کرنے کے انتظامات کرے۔ اس سلسلہ میں ابن حزم کا موقف ہے:

''ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں اگر زکاۃ آمدنی اور سارے مسلمانوں کے فئے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان غریبوں کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کرسکیں اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں کی سے محفوظ رکھ سکے۔'' (ابن حزم: المحلی، ۶/۱۵۶۔ شاطبی: الاعتصام (مصر، ۱۹۱۴ء) مزید دیکھئے ۲/۲۹۵۔۲۹۸)

اس موقف کے مؤیدین میں اور بھی حضرات ہیں:

بیت المال کے اخراجات (مصارف):

ہم مصارف کو چار شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلا شعبہ: غنائم، کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات پر مشتمل ہے۔

دوسرا شعبہ: زکاۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے حاصل شدہ تجارتی محصول (عشور) سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسرا شعبہ: خراج، جزیہ، غیر مسلم تجار سے وصول شدہ عشور، کراء الارض غیر مسلموں سے تحائف اور ضرائب ونوائب۔ (ہنگامی ٹیکس) پر مشتمل ہے۔

چوتھا شعبہ: اموال فاضلہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ان چاروں شعبوں کا اجمالی تعارف:

۱: پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف کو قرآن مجید نے خود متعین کیا ہے جن کو ''مصارف ثانیہ'' کہا جاتا ہے۔

۲: تیسرا شعبے کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم ونسق اور انتظام وانصرام کے اخراجات پر مشتمل ہیں۔

۳: چھوتے شعبے کے مصارف رفاہ عامہ اور فلاح کے دیگر تمام کام ہیں۔ (ابن عابدین: ردالمحتار (بمبئی، ۱۳۰۹ھ) ۲/۳۸۸۔۳۸۹)

اگر کبھی ایک شعبہ کے مصارف بڑھ جائیں اور دوسرے شعبہ میں بچت ہو تو اس مد سے لیا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

''وعلی الامام ان یجعل لکل نوع بیتا یختصه، وله ان یستقرض من أحدها لیصرفه للآخر''. (ابن عابدین: ردالمحتار، ۲/۳۸۹)

ترجمہ:۔امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہرنوع کے لئے ایک خاص شعبہ بنائے اور اس کو ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

ایک شعبے کی آمدنی کو دوسرے پر خرچ نہیں کیا جاسکتا جیسے ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

"ولا ینبغی الامام ان یجمع مال الخراج الی الصدقات والعشر لأن الخراج فیٔ لجمیع المسلمین والصدقات لمن سھم اللہ عزوجل فی کتابہ" (کتاب الخرج، ص ۸۰)

ترجمہ:۔اور امام کو نہیں چاہیئے کہ خراج کو صدقات اور عشر کے ساتھ ملائے کیونکہ خراج سب مسلمانوں کے مشترک آمدنی ہے اور زکاۃ اور عشر متعین افراد کے لئے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

ان شعبہ جات کے مصارف کی تفصیل:

پہلے اور دوسرے شعبہ کے مصارف: ان دونوں کے شعبوں کے مصارف ایک ہی ہیں جنہیں مصارف ثمانیہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعلمو انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامی والمسکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یو م الفرقان یو م التقی الجمعان واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر. (الانفال: ۴۱)

ترجمہ:۔جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے اس میں پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور ان کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے، اگر تم کو یقین ہے اللہ پر (الآیہ)

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقات والغارمین وفی سبیل اللہ وابن سبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم". (التوبۃ: ۶۰)

ترجمہ:۔زکاۃ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکاۃ کے کام کرنے والوں کا اور جن کا دل پر جانا مقصود ہو اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے (یعنی قیدیوں اور غلاموں کی رستگاری کے لئے) اور ان کے لئے جو تاوان کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستے میں (جہاد کرنے والوں کے لئے) اور مسافروں کے لئے یہ مقرر ہے۔اللہ کی جانب سے اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

مصارف ثمانیہ کی تفصیلات: ۱، ۲: فقراء ومساکین:

مصارف زکاۃ میں سب سے اہم حصہ ان دونوں کے لئے ہے اور انہی کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا ذکر پہلے ہوا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی معاشرہ ان فقراء ومساکین سے خالی نہیں۔(ابرہیم عثمان: نظام مصرف الزکاۃ (الریاض، ۱۴۰۲ھ) ص ۴۷)

فقراء وہ لوگ ہیں جو اپنی گذر بسر کے لئے دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔

مسکین:

لفظ مسکین کے اندر وہ تمام اشخاص شامل ہیں جنہیں بڑھاپے یا بیماری یا غیر معمولی حالات نے بالکل ناکارہ اور نکما کر دیا ہو اور وہ اپنی روزی خود نہ کما سکیں۔ امام راغب الاصفہانی کے نزدیک المسکین من لاشیٔ لہ (یعنی جس کے پاس کچھ نہ ہو) اور یہ فقیر سے ابلغ ہے یعنی بنسبت فقیر کے مسکین زیادہ نادار ہوتا ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک مسکین سے فقیر زیادہ تنگدست ہوتا ہے۔ (مفردات القرآن، ص ۴۳۴، اردو ترجمہ والمحلی، ۶/ ۱۴۸ خلاف: السیاسۃ الشرعیہ، ص ۱۳۰) مساکین اور فقراء کے لئے صرف ایک سال ایک ماہ کے لئے زکاۃ نہیں دی جائے گی بلکہ ان کے لئے مستقل طور پر زکاۃ دی جائیگی یہاں تک ان سے تنگدستی دور ہو جائیں۔ ابوعبید نے اس اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر محمد بن مسلمہ کی شکایت کی کہ انہوں نے مال زکاۃ سے ان کو محروم رکھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کی گرفت کی اور انہوں نے بھی افسوس اور اظہار ندامت کیا پھر اس مستحق کو اس کا حق ادا کیا۔ (ابوعبید: کتاب الأموال المکتبہ التجاریہ الکبری، مصر، ۱۳۴۷ھ) ص ۵۹۹ القرضاوی: فقہ الزکاۃ، ۲/ ۵۷۸)

اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی اسلامی ریاست کے بجٹ میں بے روزگاروں معذوروں اور غرباء و مساکین کی امداد اور بحالی کے لئے ایک خاص مستقل حصہ مختص کر دیا جبکہ انگلستان میں امداد محتاجاں کا قانون ۱۶۰۱ء میں پاس کیا گیا۔

عاملین علیھا:

سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکاۃ کے وصول کرنے، محفوظ رکھنے تقسیم کرنے، اور اس کا حساب و کتاب رکھنے کا کام کرتے ہوں۔ گویا یہ لوگ یہ حصہ بطور حق خدمت لیتے ہیں نہ کہ حصہ بطور حقدار کے۔ (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، ۸/ ۱۷۸، الماوردی: الأحکام السلطانیہ، ص ۱۱۸ و مابعدھا، ابویعلی: الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۶)

مؤلفة القلوب:

سے مراد وہ لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوں اور ان کو اسلام سے وابستہ رکھنے کے لیے مال دیا جائے۔ اور غیر مسلم کو اسلام سے مانوس کرنے اور اس میں داخل ہونے پر آمادہ کرنے کے لئے مال دیا جائے۔ یا اس لئے مال دیا جائے تاکہ ان کی قوم میں جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں ان کی دشمنی نہ کریں۔ فی الجملہ اسلامی ریاست کے مفاد کی ترویج کے لئے بھی مال دینا اس مد کے تحت آتا ہے۔ (ابن العربی: أحکام القرآن (داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۳۷۶ھ) ۲/ ۹۵۰ ابن تیمیۃ: السیاسۃ الشرعیۃ، ص ۵۰۔۵۳، المحلی، ۶/ ۱۴۹ النووی: المجموع، ۶/ ۲۰۷)

فی الرقاب:

سے مراد غلاموں کو آزاد کرنا بھی ہے اور مکاتب غلام بھی مراد لیا گیا ہے کیونکہ مال زکاۃ کے وہی مستحق ہوتے ہیں۔ جو مسلمان قیدی دشمن کے پاس ہوں ان کا فدیہ زکاۃ سے دے کر آزاد کرانا بھی اس کے تحت آتا ہے۔ (الاصفہانی: مفردات القرآن، ص۳۶۴ (اُردو ترجمہ) ابوعبید: کتاب الأموال، ص۷۲۳، ابن العربی، ۲/۹۵۵ (احکام القرآن)

احناف کے نزدیک زکاۃ کے مد سے صرف مکاتب غلام کو دیا جا سکتا ہے۔ غلام خرید کر آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ (جصاص: أحکام القرآن، ۳/۱۲۴)

الغارمین:

سے مراد قرض یا تاوان کے بار سے دبے ہوئے ایسے افراد ہیں جو اگر اپنا قرض پورا ادا کریں تو صاحب نصاب نہ رہ جائیں۔ غارم کا لفظ تمام مقروضوں کو شامل ہے جو اپنے ذاتی جائز ضروریات یا مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے قرض لیتے ہیں۔

(مفردات القرآن، ص۶۶۴، لماوودی: الأحکام السلطانیہ، ص۱۴۰)

فی سبیل اللہ:

سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ خواہ تلوار سے ہو یا قلم وزبان سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور ڈھوپ سے، سلف میں سے کسی نے بھی اس لفظ کو رفاہ عامہ کے معنی میں نہیں لیا ہے۔ ان کے نزدیک بالاتفاق اس کا مفہوم ان مساعی تک محدود ہے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے اس کی اشاعت کرنے اور اسلامی مملکت کا دفاع کرنے کے لئے کی جائیں۔ (الأحکام السلطانیہ، ص۱۴۰، کتاب الأموال، ص۷۲۶)

ابن السبیل:

یعنی مسافر، خواہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہو۔ لیکن حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے مدد کا محتاج ہو، گھر تک پہنچنے اور ضروریات کی حد تک زکاۃ لے سکتا ہے۔ (کتاب الأموال، ص۷۲۶۔۷۲۷، الطبری تفسیر جامع البیان، ۱۴/۳۲۰)

تیسرے شعبہ کے اخراجات:

اس شعبہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) پہلا حصہ:

مسلح افواج کی تنخواہیں اسی مد سے دی جائے گی۔ (ابن سعد: الطبقات الکبری، ۳/۲۱۷، الماوودی: الأحکام السلطانیہ، ص۲۳۰)

علاوہ اسلحہ اور ہتھیار بھی اس مد سے خریدے جا سکتے ہیں۔ (السرخسی: المبسوط، ۳/۱۸)

(ب) عدلیہ اور انتظامیہ کے مصارف:

ان کے مصارف بھی اسی شعبہ سے لئے جائیں گے اور ان اداروں میں کام کرنے والے ججوں اور آفیسروں کو معقول تنخواہیں ہونگی تا کہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں اور ساتھ ساتھ مشاہروں میں بے جا تفاوت بھی نہ ہو۔ (ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۸۶۔۱۸۷)

(ج) اسلامی ریاست کے وہ افراد جو دین کی ترویج و تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں:

ان کے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ادارہ پر خصوصی توجہ دی اور مبلغین کے لئے مشاہرے مقرر کئے۔ "**ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفانکا نا یرزقان المؤذنین والائمة والمعلمین**". (**ابن الجوزی: سیرة عمر بن الخطاب، ص ۱۶۵**)

یعنی حضرت عمرؓ اور عثمانؓ دونوں موذنوں، اماموں اور اساتذہ کو وظائف دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم و تدریس قرآن پر مشاہرے مقرر کروائے تھے۔ "**ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عماله ان اعط الناس علی تعلم القرآن**". (**ابو عبید: کتاب الأموال، ص ۳۳۳**)

حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عمالین۔ (گورنرز) کو یہ حکم بھیجا کہ قرآن کی تعلیم پر مشاہرے دیئے جائیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی معلمین کے لئے مشاہرے مقرر کئے تھے۔ (ابوعبید: کتاب الأموال، ص ۳۳۳۔۳۳۴)

اسی طرح طلبہ کے لئے بھی وظیفے مقرر کئے جاتے تھے۔

بنوامیہ اور بنوعباس کے ادوار میں بھی یہ شعبہ کام کرتا رہا۔ آج بھی اس شعبہ کو باقاعدہ اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھے شعبہ کے مصارف:

بیت المال کا چوتھا شعبہ (جس کے ذرائع آمدنی اموال فاضلہ اور کفالتِ عامہ کے ٹیکس ہیں) غرباء، مساکین، معذورین، یتامیٰ، بیوگان اور محروم المعشیت کی معاشی کفالت سے تعلق رکھتا ہے۔

اگر مال زکاۃ کافی نہ ہو تو اس صورت میں اصحاب ثروت پر فاضل ٹیکس عائد کر کے غریبوں کی کفالت کرنا ضروری ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ان فی المال حقاً سوی الزکاۃ) (ترمذی: کتاب الزکاۃ)

مزید انفاق کی ذمہ داری کا تعلق اسی حصہ پر ہے جو آدمی کی اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**یسئلو نک ما ذا ینفقون قل العفو**) (**البقرہ: ۲۱۹**)

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا انفاق کریں۔ کہئے جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''ان اللہ تعالیٰ فرض علی الأ غنیاء فی أمو الھم بقدر ما یکفی فقرأھم ، فان جاعوا أوعر وا وجھد و افبمنع الأ غنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ أن یحاسبھم یوم القیامۃ ، ویعذ بھم علیھم ''. (المحلی ، ۱۵۸/۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر ان کے مال میں اتنا حصہ فرض کیا ہے جو غریبوں کے لئے کافی ہو۔ اب اگر یہ لوگ بھوکے، ننگے اور مشقت میں مبتلا ہوں تو اس کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ مال دار کو (ان کا) حق نہ دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ضروری مالداروں سے محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا۔

ابن حزمؒ نے لکھا کہ کفالت عامہ کے لئے اگر زکاۃ اور فئی کی آمدنی کافی نہ ہو تو مال دار پر مزید محاصل (ٹیکس) عائد کئے جائیں گے۔

''وفرض علی الاغنیاء من أھل کل بلدان یقوموا بفقرائھم ، یجبر ھم السلطان علی ذلک ، ان لم تقم الزکوات بھم، ولا فی سائر اموال المسلمین بھم، فیقام لھم بما یأکلون من القوت الذی لابد منہ، ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالک ، وبمسکن یکھم من المطر، والصیف ، والشمس وعیون المارۃ '' (المحلی ، ۱۵۶/۶)

ترجمہ: ہر ملک کے مالدار پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں اگر زکاۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان غریبوں کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کرسکیں اور وہ اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی حمایت کی ہے اگر ضرورت ہو۔

''امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ ضرورت کی حد تک ٹیکس عائد کرے بشرطیکہ امام عادل ہو۔ مال دار لوگوں پر اتنے محاصل عائد کردے جس کی آمدنی اس وقت کی ضرورت کے لئے کافی ہو''۔ (الاعتصام (مطبعۃ المنار، مصر، ۱۹۱۴ء) ۲/۲۹۵۔۲۹۸)

بیت المال خالی ہونے کی صورت میں فقط ءشوافع نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی اجازت دی ہے۔ (امام غزالی: المستصفی (مطبعۃ امریہ، بولاق، مصر، ۱۳۲۲ھ) ۱/۳۰۳۔۳۰۴)

اس موقف کی حامی ہونے کی صورت میں صرف شوافع نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی اجازت دی ہے۔ (اماودی: الأحکام السلطانیہ، ص ۲۸۶)

اس موقف کے حامی امام غزالی، امام السرخسیؒ اور امام الماوردیؒ وغیرہ ہیں۔ (الماوردی: الأحکام السلطانیہ، ص ۲۷۶)

معتدد علماء نے جن میں ممتاز شافعی فقیہ عفوالدین بن عبدالسلام بھی شامل ہیں یہ فتویٰ دیا کہ اگر بیت المال خالی ہو تو مزید محاصل عائد کرکے مال جمع کیا جاسکتا ہے اور اگر بیت المال میں مال موجود ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ (محمد بن ایاس: تاریخ مصر (بولاق، مصر، ۱۳۱۱ھ) ۱/۹۴۔۹۵)

''علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ جب مسلمانوں پر زکاۃ ادا کرچکنے کے بعد، کوئی ضرورت آن پڑے تو اس کے لئے (مزید) مال صرف کرنا واجب ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کرکے اپنے قیدیوں کو آزاد کرائیں خواہ ایسا کرنے میں ان کا

سارا مال خرچ ہو جائے۔" (قرطبی: احکام القرآن، ۲/۲۴۲)

اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ داری ہے کہ اس سے اندر بسنے والوں کی مکمل کفالت کرنے بیت المال سے ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔ مثلاً صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری، مرض، بڑھاپے یا کسی حادثہ کے سبب معذور ہو جانے کی حالت میں کارخانہ متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اسلامی ریاست کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے، بآسانی اور بلا تاخیر بیت المال سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور ریاست کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من ولاه عز وجل شيئاً من أمور المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله تعالىٰ عنه دون حاجته وخلته".

قال: فجعل رجلاً على حوائج الناس". (ابو داؤد: كتاب الخراج والفيء، ۲/۴۰۹)

ترجمہ:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور حاجت مندی اور فقر و فاقہ سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے (یہ حدیث سن کر) ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مقرر کر دیا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحة لم يجد رائحة الجنة". (صحيح البخاري: كتاب الأحكام، ۲/۱۰۵۸)

ترجمہ:۔ جس بندہ کو اللہ نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کو خوشبو بھی نہ حاصل کر سکے گا۔

یہ بھی ارشادِ نبویؐ ہے:

"الله ورسوله مولىٰ من لا مولىٰ له". (الترمذي: ابواب الفرائض، ص ۳۰۶)

ترجمہ:۔ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا نگران (سرپرست) اللہ اور اس کا رسول ہے۔ رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ترك مالاً فلأهله ومن ترك ضياعاً فالي"

(الترمذي: (نور محمد، كراچي) ص ۳۰۴ (باب ماجاء من ترك مالا فلورثته)

ترجمہ:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل (یعنی وارثوں) کے لئے ہے۔ اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری (کفالت اور مال خرچ کرنا میری ذمہ داری ہے) میرے اوپر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

"انی حریص علی ان لا أری حاجة الا سد دتها". (ابن کثیر : البد اسیه (مکتبة المعارف ، بیروت ، ۱۹۷۴ء) ۷/۴۶)

ترجمہ:۔ مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں (کسی کو کوئی حاجت ہو) اسے پورا کروں۔

حضرت عمر بن الخطاب نے یہ بھی اعلان فرمایا تھا:

"ومن أرادأن يسأل عن المال فليا تني فأن الله جعلني خازناً وقاسماً".

ترجمہ:۔ یعنی جو آدمی چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (بیت المسلمین کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنادیا ہے۔

اسی انداز سے ذمہ داری کا احساس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کو بھی تھا۔ آپؒ نے اعلان فرمایا تھا:

"وما أحد منكم تبلغني حاجة الا حرصت ان أسد من حاجته ماقدرت عليه". (ابن عبدالحكم :سيرت عمر بن عبدالعزيز ، ص ۱۴)

ترجمہ:۔ یعنی تم میں سے کسی کی بھی کسی ضروریات کا علم مجھے ہوگا اس کی ضرورت پوری کرنے کی میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی اور دیگر مالی پریشانی میں ہمیشہ عامۃ الناس کا باقاعدہ کفالت کا اہتمام فرمایا۔ (ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب، ص ۷۳)

اور یوں بھی ارشاد فرمایا:

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہو کر مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا''۔ (ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب، ص ۶۱)

اسلامی تعلیمات کے اندر کفالت کا تصور صرف اسلامی ریاست کے مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم رعایا کی کفالت کا ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت مند اہل ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی ایک سائل سے ملاقات ہوئی جو بوڑھا بصارت سے محروم بھیک مانگ رہا تھا آپؓ نے پوچھا کہ تم کس مذہب کے ہو تو اس نے جواب دیا یہودی ہوں۔ آپؓ نے پوچھا تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ (ٹیکس) کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ (راوی) کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر سے اس کو کچھ دے دیا۔ پھر آپؓ نے بیت المال کے خزانچی کو بلوایا اور ان سے کہا۔ اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیونکہ اللہ کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپے میں بے سہارا چھوڑیں''۔

شام کے سفر میں حضرت عمرؓ کو راستہ میں کچھ عیسائی جو جزام میں مبتلا تھے۔ آپؓ نے ان کی معذوری کے پیشِ نظر ان کے روزینہ (وظیفہ) جاری کرنے کا حکم دے دیا۔

ان آثار و واقعات کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد معلوم یہ ہوا کہ اسلامی ریاست میں بیت المال کے ذریعے تمام افراد کی کفالت عین ممکن ہے۔ اسی اسلامی نظام کو نافذ کرنے اور اس کو منظم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے حکام کو بھی اور عوام کو بھی اسلامی نظام کو کما حقہ نافذ کرنے کی توفیق عطا کریں۔ آمین ثم آمین

پاکستان میں قیام بیت المال:

حکومتِ پاکستان نے بیت المال کی قیام کے سلسلہ میں ایک قانون، جس کو قومی اسمبلی کے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منعقدہ اجلاس نے پاس کر لیا ہے۔ پاس شدہ یہ مسودِ قانون میرے پیشِ نظر ہے۔ اس مسودہِ قانون کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مختصر جائزہ پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے فضل اور توفیق کے لئے دعا گوں ہوں۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی:

اس کی تفصیل مذکورہ مسودہِ قانون کے صفحہ ۲ پر ہے۔ بیت المال کے ذرائع آمدنی میں مختلف ذرائع ہیں۔ جن کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان کر چکا ہوں۔ ان ذرائع آمدنی میں اوقاف، صدقات اور اموال فاضلہ وغیرہ شامل ہیں۔ لہٰذا ان ذرائع آمدنی کی بنیاد پر بیت المال کو چلانا درست اور مشروع ہے۔

اسلامی ریاست اپنی ضروریات کے لئے ہمدرد ممالک، افراد اور اداروں سے قرضے اور عطیات لے سکتی ہے فتح مکہ کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مختلف افراد سے بحیثیت مجموعی ایک لاکھ تیس ہزار درہم قرضے لئے تھے آپؐ نے فتح ہوازن کے بعد یہ رقمیں ادا کر دیں۔ (بلاذری: انساب الاشراف، ۱/۳۶۳)

ہاں اسلامی ریاست خیر خواہ غیر مسلموں کے عطیے اس صورت میں قبول کر سکتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے ہدیے قبول کیے ہیں۔ مصر سے مقوقس نے آپؐ کے خط کے جواب کے ساتھ کچھ ہدیہ بھی بھیجا تھا جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ (ابوالقاسم عبدالرحمٰن: فتوح مصر واخبارھا (بریل لیدن، ۱۹۲۰ء) ص ۴۷)

اسی طرح حبشہ کے حکمران نجاشی نے بھی آپؐ کو تحفہ بھیجا جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ (ابوعبید: کتاب الأموال (القاہرہ) ص ۲۵۴)

بلکہ صفحہ ۳ پر مصارف بیت المال اور صفحہ ۱۱ پر اس کے اغراض و مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کو پیشِ نظر رکھ کر ہم اس پر یوں اظہار خیال کر سکتے ہیں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کا انتظام کرے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان

اور علاج لازماً شامل ہیں۔

ہر وہ ضرورت بنیادی ہے جس کی تکمیل پر کسی انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہو۔ شریعت کی کسی نص میں ان ضرورتوں کی صراحت نہیں کی گئی ہے مگر خود یہ اصول نصوص سے ثابت ہے۔ ان چار چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی عدم تکمیل آدمی کی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ نصوص پر غور وفکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان ضرورتوں کی تکمیل اس اصول کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں مخصوص افراد کے لئے اسی اصول کے تحت بعض دوسری ضرورتیں بھی یہی نوعیت اختیار کر سکتی ہے۔

اگر بیت المال کے نظام کو (حکومتِ پاکستان) منظم کر لے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں علاج نہ رہے گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل عیال (وارثوں) کے لئے ہے اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی (کفالت کی) ذمہ داری میرے سر ہوگی۔

(ترمذی، ابواب الفرائض (باب ماجاء من ترک مالاً)

ان مذکورہ بنیادی ضروریات کے علاوہ ایک اہم ضرورت عام تعلیم بھی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان (سریانی) لکھنا اور پڑھنا سیکھا تھا۔ (ابوداؤد، کتاب العلم (باب روایت حدیث اہل کتاب)

صفہ کی اسلامی درس گاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے چنانچہ حضرت سعد عبادؓ نے یہاں بعض لوگوں کو لکھنا بھی سکھایا تھا۔ (ابوداؤد، کتاب البیوع (باب فی کسب المعلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کے لئے باتنخواہ معلم مقرر کئے تھے۔ (کنز العمال ج ۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کے لئے باتنخواہ معلم مقرر کئے تھے۔

ابوعبید: کتاب الاموال، ص ۲۶۲۔ ابن جوزی: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۷۴)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے طالب علموں کے لئے اور ایسے افراد کے لئے جو اپنے علمی مشاغل کے سبب کسبِ معاش سے قاصر تھے وظائف بھی مقرر کیے تھے۔ (ابوعبید: کتاب الاموال، ص ۲۶۱)

آپ (حضرت عمر بن عبدالعزیز) نے شام میں نابینا افراد، فالج یا کسی دوسرے مزمن مرض کے سبب معذور افراد بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کے لئے سرکاری طور پر خادم فراہم کئے تھے۔ (ابن جوزی: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۵۴۔۱۵۵)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر عارضی قیام وطعام کا انتظام کر دیا تھا تاکہ ہنگامی طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہو جائے۔ (ابن سعد: طبقات، ۳/ ۲۸۵)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان کی روشنی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بیت المال سے مقروض

افراد کو ادائے قرض کے لئے مالی امداد دی جائے۔(ابوعبید: کتاب الاموال (القاہرہ) ص ۲۵۱)

بعض آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر شادی شدہ افراد کو شادی کرنے کے لئے بیت المال سے مالی امداد دی جاتی تھی چنانچہ ایک حکم نامہ والیِ کوفہ زید بن عبدالرحمٰن کو بھیجا تھا جس میں کہا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے ایسے لوگوں کی مدد کی جائے جنہوں نے شادی کی ہو اور ان کے پاس نقد نہ ہو۔(ابوعبید: کتاب الاموال، ص ۲۵۱)

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ محروم اہلِ حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ بعض بنیادی ضروریات کی تکمیل لازمی ہے مگر حتی الامکان دوسری اہم ضروریات کی طرف بھی توجہ کی جانی چاہیئے۔

اسلام کے بڑے بڑے فقہاء اور مفکرین کی جماعت نے اس کی واضح الفاظ میں صراحت کی ہے۔ان میں ابوالیعلی، الماوردی، ابن حزم اور امام غزالی وغیرہ ہیں۔

ضرورت مند کو پرکھنے کے لئے کیا کیا انتظامات ہوں تاکہ کوئی غیر مستحق فرد ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔اس کے سدباب کے لئے حکومتِ پاکستان پر ضروری ہے کہ وہ اخلاقی تربیت، رائے عامہ کے دباؤ اور تعزیری سزاؤں سے اس کا تدارک کرے۔ قابل کار افراد کو ان کو ضروریات کی تکمیل کے پہلو بہ پہلو کام کرنے پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔اس بات کا لحاظ رکھا جاسکتا ہے کہ بغیر محنت کیے ہوئے محض ریاست کی مدد کے ذریعے فرد کو معیار زندگی میسر آسکتا ہو وہ اس معیار سے فروتر ہو جو خود کسبِ معاش کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایسی نفسیاتی، معاشی اور قانونی تدابیر ممکن ہیں جن کے ذریعہ مذکورہ بالا خرابیوں بے کاری، آرام طلبی وغیرہ) کا بڑی حد تک سدباب کیا جاسکتا ہے۔خود عام انسانوں کی طبعیت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ فقر اور امداد طلبی کی زندگی کو دیدہ ودانستہ اس بات پر ترجیح دیں کہ اپنی روزی اور اپنی قوت بازو سے حاصل کی جائے۔لیکن اس حقیقت اور ہر طرح کی تدابیر کے باوجود اگر معاشرہ میں کچھ افراد ان انتظامات (نظام بیت المال) سے بے جا فائدہ اٹھاتے رہیں تو یہ خرابی اس عظیم خرابی کے مقابلہ میں بہت معمولی ہے۔جو اس طرح کا انتظام نہ کرنے کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہے۔یعنی بہت سے افراد بنیادی ضروریات کی عدم تکمیل، اس کے نتیجہ میں اموات اور اس صورت حال سے پیدا ہونے والی نفسیاتی الجھنیں، اخلاقی مفاسد اور روحانی اضمحلال اور انحلال۔(نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت، ۱۲۲/۲)

بیت المال کی اس مد سے غیر مسلموں کی کفالت بھی جائز ہے یعنی بلا امتیاز جنس، ذات، مسلک یا نسل، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام کے سفر میں تھے راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جزام میں مبتلا تھے آپؓ نے ان کے لئے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ (بلاذری: فتوح البلدان، ص ۱۳۵)

غیر مسلم رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا یہ اہتمام صرف حضرت عمرؓ کی مشفقت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ابتداء ہی سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حمیر کو مخاطب کرتے ہوئے جو لکھا تھا اس میں اس کی صراحت موجود ہے۔(ابوعبید: کتاب الاموال، ص ۲۰۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب اہل حمیر کے ساتھ جو عیسائی تھے معاہدہ کیا تو اس میں یہ دفعہ بھی رکھی کہ ''میں نے یہ ان کا حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آپڑے یا جو آدمی پہلے مال دار ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں۔ اس کا جزیہ (ٹیکس) ساقط کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہلِ عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی''۔ (ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۷۲)

مسودہ بل کے باب چہارم صفحہ ۴ پر چیرمین (امین) اور اراکین کے عہدے کی شرائط بیان کیا گیا ہے۔ ان شروط کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس میں علماء فقہاء اور اسلامی قانون میں مہارت رکھنے والے اشخاص کے علاوہ باقی افراد کو شامل نہ کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر اس نظام کو چلانا ہے بے شک منتخب نمائندگان اور سماجی کارکنوں میں سے اگر ماہر شریعت و ماہر حسابات میسر آجائیں تو ان کو ضرور ان عہدوں پر فائز کیا جائے۔

اسی موقف کی تائید کے لئے ہمارے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بطورِ دلیل موجود ہے۔

جب حضرت عمر فاروقؓ نے باقاعدہ بیت المال کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں بیت المال قائم کیا تو اس کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے ان کی امانت کا یہ حال تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مختلف لوگوں کو خطوط لکھواتے اور مہر بھی ثبت کرواتے اور دوبارہ ملاحظہ نہیں فرماتے بلکہ ان پر اعتماد کرتے آپؐ کاتبین وحی میں شامل تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو امین (خازن) بیت المال کی حیثیت سے معقول رقم کی پیش کش کی مگر آپؓ نے قبول نہیں کیا۔

(ابن حجر عسقلانی : الا صا بة فی تمیز الصحابة، (مصر۔ ۱۳۲۸ھ) ۲/۲۷۳۔۲۷۴ تاریخ ابن خلدون، ۴/ ۱۴۷۔۱۴۸)

لہٰذا امین اور دیگر ارکان بیت المال کا شرعی امور خصوصاً مالیات کے معاملہ میں ماہر ہونا اور مخلص و دیانتدار ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (ان اللہ یأ مر کم اَن تؤدو الاَمٰنٰت الی اھلھا) (النساء ۴:۵۸)

ترجمہ:۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔

اسی آیت کریمہ میں ہر قسم کے ذمہ کو اس کے اہل کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بخاری و مسلم میں فرمانؐ ہے جس میں امانت میں خیانت کو نفاق کی ایک خصلت قرار دیا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے ایک مرتبہ اونٹ کا ایک بال اپنی دو انگلیوں کے درمیان لے کر فرمایا: ''لوگو! اللہ کی قسم تمہارے فئے میں سے میرے لئے یہ بال بھی نہیں بجز (غنیمت کے) پانچویں حصہ کے، اور یہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی خرچ کر دیا جاتا ہے''۔

(ابن ہشام: سیرۃ النبی (مصر۔ ۱۲۹۵ھ) ۳/ ۱۸)

امانت اور اخلاص (اور احتیاط) کی چند مثالیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ شہد کی ضرورت پڑی۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن آپؓ نے پہلے مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے اجازت طلب کی اور فرمایا: ''اگر تم مجھے اس کے بارے میں اجازت دو، ورنہ اس کا لینا میرے لئے حرام ہے''۔ (ابن سعد: طبقات، ۳/۲۷۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب ذاتی کام کرتے یا نفل ادا کرتے تو بیت المال کا چراغ بجھا دیتے اور اپنی ذاتی چراغ استعمال کرتے۔ (ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۹)

آپؒ سے پہلے اموی حکمران شان وشوکت اور شاہانہ کروفر پر جو کثیر مصارف بیت المال سے کرتے تھے ان کو آپ نے ایک قلم بند کر دیا اور ایسے سارے املاک کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا۔ (ابن عبدالحکم: سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۳۵۔۳۶)

بیت المال کے سلسلہ میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مال غنیمت میں آئی ہوئی مشک کی خوشبو سونگھنا یا مطبخ عام کی آگ پر وضو کے لئے پانی گرم کرا لینا بھی گوارا نہ تھا۔ (ابن عبدالحکم: سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۴۴)

خلفاء راشدین رحمہم اللہ بیت المال کے بارے میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ ان میں سے جو لوگ صاحبِ مال تھے انہوں نے اپنا سارا وقت اُمور ریاست کی نذر کر دینے کے بعد بھی بیت المال سے کوئی مشاہرہ لینا پسند نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ انہوں نے اپنے منصب خلافت میں مشاہرہ کے طور پر جو کچھ لیا ہے اس کا حساب لگا کر اتنی رقم ان کے ترکہ میں سے بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ (تاریخ طبری، ص ۲۱۴۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ضروریات اپنے ذاتی مال سے ہی پوری کیں۔ (تاریخ طبری، ص ۲۹۵۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُس سالانہ وظیفہ کے علاوہ جو فئے کے مال میں سے دوسرے مسلمانوں کی طرح ان کو بھی ملتا تھا۔ بیت المال سے اپنی خدمت کے عوض کوئی مشاہرہ نہیں لیا۔ (ابن عبدالحکم: سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۴۳)

مسودہ قانون کے باب دہم صفحہ ۸ پر حساب اور محاسبہ کے عنوان سے تفصیل دی گئی ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر اسلام میں نظام احتساب کی اہمیت اور طریقِ کار کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ خلفائے راشدین کے دور میں مدات آمدنی بیت المال کے آفیسروں کا نہایت سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا۔ سختی کے ساتھ آمدنی وخرچ کا حساب رکھوایا جاتا..... اس طرح عمال کی تعیناتی کے وقت ان کے مال واسباب (جائداد) کی ایک فہرست تیار کر لی جاتی۔ واپسی پر اگر کسی کا سامان فہرست میں درج شدہ چیزوں سے زیادہ نکلتا تو باقاعدہ باز پرس ہوتی اور زائد مال ضبط کر کے ''بیت المال'' میں داخل کر دیا جاتا۔

اگر کوئی عامل قصوروار ہوتا تو اسے مجمع عام میں سرزنش کی جاتی اور عہدہ سے معزول کر دیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ بجز ابوعبیدہؓ اور امیر معاویہؓ